تحقیق وتنقید

اسرار الفاتحہ

ایک تعارف

پروفیسر کبیر احمد جائسی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر فارسی زبان میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں معارج النبوۃ مشہور ترین کتاب ہے جس کے مصنف نویں صدی ہجری کے ایک واعظ، عالم اور مفسر معین الدین فراہی ہروی ہیں۔ اردو دنیا اُن کے نام سے غالباً پہلی بار ۱۹۲۴ء میں اس وقت واقف ہوئی جب حافظ محمود خاں شیرانی مرحوم نے خواجہ معین الدین چشتیؒ سے منسوب فارسی دیوان پر اپنا معرکۃ الآرا مقالہ لکھ کر اسی معارج النبوۃ میں درج اشعار کے ذریعہ خواجہ معین الدین چشتیؒ سے منسوب دیوان پر سوالیہ نشان لگا دیا اور متعدد اشعار پر اس یقین کی مہر بھی ثبت کر دی کہ وہ اشعار معین الدین فراہی ہروی کے ہیں خواجہ معین الدین چشتیؒ کے نہیں۔

نگاہ عقیدت میں حافظ محمود خاں شیرانی کی تحقیق کھٹکتی رہی اور تقریباً ربع صدی تک اگر مگر کا سلسلہ چلتا رہا۔ ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ پروفیسر محمد ابراہیم ڈار کے ایک اہم مقالے کے ذریعہ اردو دنیا نے دوبارہ معین الدین فراہی ہروی کا نام سنا۔ بات یوں ہوئی کہ معین الدین فراہی ہروی کی تفسیر سورۂ فاتحہ کا ایک مطبوعہ مگر کم یاب نسخہ پروفیسر محمد ابراہیم ڈار مرحوم کی نظر سے گذرا جس کے غائر مطالعہ کے ذریعہ انھوں نے حافظ محمود خاں شیرانی مرحوم کی تحقیق کو آگے بڑھاتے ہوئے اور بہت سے اشعار کو اس کے اصل مالک یعنی معین الدین فراہی ہروی کے حوالے کر دیا۔ علم کا کارواں اسی طرح آگے بڑھتا ہے۔

اخلاقیات کے موضوع پر فارسی میں منجملہ اور کتابوں کے ایک کتاب اخلاقِ جہانگیری بھی ہے جو معین الدین فراہی ہروی کے پوتے نور الدین خاقانی کی تصنیف

ہے ۔افسوس ہے کہ یہ اہم اور ضخیم کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوسکی ہے ۔اس کے مخطوطے کا ایک عکس جب پروفیسر محمد اسلم مرحوم کے مطالعے میں آیا تو ان کو معلوم ہوا کہ دیوان خواجہ معین الدین چشتی کے جو اشعار معارج النبوۃ اور تفسیر سورۂ فاتحہ میں نہ مل سکے تھے وہ اخلاق جہانگیری میں معین الدین فراہی ہروی کے نام سے موجود ہیں ۔انھوں نے اپنا حاصل مطالعہ مجلۂ علوم اسلامیہ علی گڑھ جلد ۱۳ نمبر ۱-۲ میں شائع کروادیا ہے ۔اس طرح تحقیق کا کارواں دو قدم اور آگے بڑھا۔

سورۂ فاتحہ کی تفسیر کی طرح معین الدین فراہی ہروی نے سورۂ یوسف کی بھی مفصل تفسیر لکھی ہے جس کا پہلا ایرانی ایڈیشن ۱۹۶۷ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ استاذ محترم پروفیسر نذیر احمد صاحب نے اس کا ناقدانہ مطالعہ غالبًا ۱۹۹۰ء کے آس پاس کیا۔ اس ناقدانہ مطالعہ کے دوران ان کو اس بات کا مزید ثبوت ملا کہ معین الدین فراہی ہروی کے بہت سارے اشعار خواجہ معین الدین چشتیؒ کے نام سے منسوب ہو گئے ہیں۔ استاذ محترم پروفیسر نذیر احمد صاحب نے اپنا حاصل مطالعہ جنوری ۱۹۹۱ء کے معارف اعظم گڈھ میں شائع کروایا جو معارف کے صفحہ ۵ سے ۴۲ تک پر محیط ہے ۔یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ استاذ محترم نے معین الدین فراہی ہروی کی ایک اور تصنیف اعجاز موسوی کے ایک مخطوطے کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور اس کو بھی بطور شاہد پیش کیا ہے

اِن چاروں بزرگوں کے مقالوں کے ذریعہ اردو دنیا معین الدین فراہی ہروی کے نام اور اُن کے شاعرانہ کمالات سے بیگانہ نہیں ہے اور یہ بھی جان چکی ہے کہ وہ اپنے زمانے کے ایک اچھے طومار نویس، نثّار، واعظ اور مفسر تھے ۔ مذکورہ بالا بزرگوں نے اُن کی فارسی نثر کی تحلیل وتجزیہ کا کام اپنی بعد کی نسل کے لیے چھوڑ دیا ہے ۔میں اپنی نسل کی نمائندگی کرتے ہوئے معین الدین فراہی ہروی کی تفسیری تحریروں کا ایک مختصر تجزیاتی مطالعہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ معارج النبوۃ اور ان کی دوسری نثری تحریروں پر فارسی زبان وادب کا کوئی طالب علم کام کرنے کا بیڑا اٹھائے گا۔

معین الدین فراہی ہروی کی تفسیری خدمات سے واقف ہونے سے پہلے ہم کو اُن کے اور اُن کے زمانے کے بارے میں تھوڑی سی معلومات ہوجانی چاہیے

تاکہ اُن کی دماغی ساخت اور اُن کی خدمات کی اہمیت و معنویت کو سمجھنا آسان ہو سکے۔

معین الدین فراہی ہروی ہرات کے واعظوں کے ایک خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد مولانا شرف الدین حاجی محمد الفراہی خود بھی ہرات کے مشہور واعظ تھے اور اُن کے دوسرے بیٹے نظام الدین بھی واعظ اور ہرات کے قاضی تھے۔ ایک ایسے خاندان میں پیدا ہونے کی وجہ سے معین الدین فراہی ہروی کو مذہبی تعلیم کے حصول کا بھرپور موقع ملا۔ اپنے زمانے کی مروجہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ صرف واعظ ہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک شاعر اور مذہبی مصنف کی حیثیت سے بھی علمی دنیا کے پیش منظر پر ابھرے اور زندگی بھر وعظ اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ میر علی شیر نوائی کی کتاب 'مجالس النفائس' معین الدین فراہی ہروی کے عہد حیات ہی میں ترتیب پائی تھی، یہی کتاب اُن کے حالات زندگی کو جاننے کا اولین ماخذ بھی ہے۔ اس کے علاوہ معین الدین فراہی ہروی کے انتقال کے تقریباً اتیس برسوں کے بعد غیاث الدین خواندمیر نے ۹۲۷ھ میں جب اپنی کتاب 'حبیب السیر' لکھی تو اس نے بھی معین الدین فراہی ہروی کی زندگی کے بارے میں کچھ معلومات محفوظ کر دیں۔ یہاں اس بات کی یاد دہانی مفید ہوگی کہ علی شیر نوائی کی کتاب 'مجالس النفائس' کا سال تالیف ۸۹۶ھ ہے یعنی یہ کتاب معین الدین فراہی ہروی کے انتقال کے تقریباً چودہ برس پہلے لکھی گئی تھی۔ معین الدین فراہی ہروی کے انتقال کے بیس اکیس برس کے بعد مجالس النفائس کا فارسی زبان میں ایک ترجمہ شہر ہرات میں فخری ہروی نے 'لطائف نامہ' کے نام سے کیا ہے۔ فخری نے اس ترجمہ میں علی شیر نوائی کی ترکی عبارت کو فارسی زبان کے قالب میں ڈھالا ہے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی ہے۔ اِس کے ایک سال بعد ۹۲۹ھ میں 'مجالس النفائس' کا دوسرا فارسی ترجمہ ایک دوسرے ایرانی محمد بن المبارک قزوینی نے ترکی کے شہر اسلامبول میں کیا۔ محمد بن المبارک قزوینی کے ترجمے کی اہمیت اس پہلو سے بہت ہے کہ قزوینی نے معین الدین فراہی ہروی کے بارے میں بعض ایسی باتیں لکھی ہیں جو کسی اور کتاب میں نہیں ملتیں۔ چونکہ یہ باتیں معین الدین ہروی کے انتقال کے اکیس بائیس برس کے بعد ہی ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں اس لیے اِن باتوں کو ایک اہم

اور تقریباً معاصر ماخذ کی حیثیت سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہم مناسب مقام پر محمد بن المبارک قزوینی کے بیان کو بھی من وعن نقل کریں گے۔

فخری ہروی کے ترجمۂ 'مجالس النفائس' کے مطالعہ سے علم ہوتا ہے کہ میر علی شیر نوائی نے معین الدین فراہی ہروی کا بڑا مختصر سا تذکرہ کیا ہے جس میں اُن کا شمار اپنے زمانے کے مشاہیر میں کیا گیا ہے۔ پروفیسر محمد ابراہیم ڈار مرحوم نے فخری ہروی کی فارسی عبارت کا اردو ترجمہ اِن الفاظ میں کیا ہے:

"مولانا معین واعظ مولانا حاجی محمد فرہی (فراہی) کا بیٹا مشاہیر میں سے ہے۔ فی الحال شہر کا مقرر کردہ واعظ ہے۔ یہ مطلع اُس کا ہے:

مگر فصل بہار آمد کہ عالم سبز و خُرّم شد
مگر وصل نگار آمد کہ دل با وصل ہمدم شد[۱]

اِس کے برعکس معین الدین فراہی ہروی کے انتقال کے انیس برس کے بعد غیاث الدین خواندمیر نے اپنی کتاب 'حبیب السیر' میں ان کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں وہ قدرے مفصل ہیں۔ پہلے ہم غیاث الدین خواندمیر کے اصل الفاظ بعد ازاں اُس کا اردو ترجمہ پیش کریں گے:

" مولانا معین الدین الفراہی برادر ارشد قاضی نظام الدین بود و بسیاری از فضائل و کمالات اظہار وقوف می نمود۔ در زہد و تقویٰ درجۂ علیا داشت و اکثر خطوط را در غایت جودت بر صفحۂ تحریر می نگاشت۔ در ایام جمعہ بعد از نماز در مقصورۂ مسجد جامع ہرات وعظ در کمال تاثیر می گفت و درر غرر معانی آیات و احادیث را بہ الباس طبع لطیف می سُفت با عاظم امرا و نوئینان کہ در مجلس وعظ می نشستند ملتفت نمی گشت و در وقت نصیحت آن طائفہ سخنان درشت بر زبانش میگذشت و آن جناب بعد از فوت برادر بموجب تکلیف خاقان والا گہر مدت یک سال صاحب قضا بود۔ آنگاہ ترک آن امر دادہ، ہر چند دیگر مبالغہ نمودند قبول نفرمود، از آثار قلم لطافت نگار مولانا معین الدین معارج النبوۃ

---

[۱] بحوالہ مقالات شیرانی ج ۶، طبع اول دسمبر ۱۹۷۲، مجلس ترقی ادب لاہور ص ۵۹۲

درمیان مردم مشہور است و اکثر وقائع و حالات سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات بروایات مختلفہ در آن مسطور و مولانا معین الدین از شہور سبع و تسعمایہ مریض شدہ درگذشت و در مزار مقرب حضرت باری خواجہ عبداللہ انصاری پہلوی برادر خود قاضی نظام الدین مدفون گشت[1]"

(مولانا معین الدین الفراہی، قاضی نظام الدین کے بڑے بھائی تھے۔ وہ بہت سارے فضائل اور کمالات سے اپنی واقفیت کا اظہار کرتے۔ زہد اور تقویٰ میں اعلیٰ درجات کے حامل تھے اور اکثر خطوط (ثلث، تعلیق، نسخ وغیرہ) کو انتہائی خوبی کے ساتھ تحریر کے صفحات پر لکھتے۔ جمعہ کے دنوں میں نماز جمعہ کے بعد ہرات کی جامع مسجد کے مقصورہ (امام کی مخصوص جگہ) میں انتہائی موثر وعظ کہتے اور قرآن و حدیث کے معانی کو صنایع و بدائع کے موتیوں سے لطیف طبیعت کے لباس میں پروتے۔ بڑے بڑے امراء اور شاہزادے جو اُن کی وعظ کی مجلسوں میں بیٹھتے، وہ اُن کی طرف مطلق التفات نہ کرتے، اُس گروہ کو نصیحت کرتے وقت ان کی زبان پر درشت الفاظ آتے۔ وہ اپنے بھائی کی وفات کے بعد عالی نسب خاقان (اشارہ ہے سلطان حسین بالیقرا کی طرف) کے ارشاد کے بموجب ایک برس تک قاضی رہے، اُس کے بعد اُس کام کو چھوڑ دیا، دوبارہ ہر چند اُن سے اصرار کیا گیا انھوں نے قبول نہ کیا۔ مولانا معین الدین کے لطافت نگار قلم کی یادگار 'معارج النبوت' کی لوگوں کے درمیان شہرت ہے اس میں سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر حالات اور واقعات مختلف روایتوں کے ذریعہ لکھے گئے ہیں۔ ۹۰۷ھ میں بیمار ہوئے اور انتقال کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مقرب حضرت عبداللہ انصاری کے مقبرے میں اپنے بھائی قاضی نظام الدین کے پہلو میں دفن ہوئے)

حبیب السیر کے درج بالا بیان سے کئی باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں اول تو یہ کہ زہد و تقویٰ کے باوصف وہ ایک اعلیٰ پایہ کے خطاط بھی تھے مزید برآں قرآن

---

[1] بحوالہ مقالات شیرانی ج ۶، طبع اول، دسمبر ۱۹۷۲، مجلس ترقی ادب لاہور ص ۱۸۳

و حدیث کے ایسے برجستہ عالم کہ دورانِ وعظ کلام پاک کی آیتوں اور حدیثوں کے معانی بیان کر کے اپنی باتیں لوگوں کے دل نشیں کیا کرتے۔ اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک آزادہ رو انسان تھے اور سرکاری چاکری کی صلاحیت نہ رکھتے تھے اِس لیے ایک سال سے زیادہ منصب قضا پر کام نہ کر سکے۔ اُن کی دنیا سے بے رغبتی کا عالم یہ تھا کہ وہ حصولِ دنیا کا اولین زینہ یعنی امرا اور صاحبانِ ثروت کی صحبت سے نفور تھے اور ایسے جو بھی افراد اُن کی مجلس وعظ میں شریک ہوتے ان کی طرف ملتفت نہ ہوتے۔ غیاث الدین خواند میر نے اُن کے خطاط ہونے کا جو ذکر کیا ہے اُس میں وہ منفرد نہیں ہیں۔ اُن کے بعد کی ایک فارسی کتاب جس کے زمانۂ تصنیف کا تخمینہ ۹۶۹ھ لگایا گیا ہے، رسالۂ قوانین خطوط اُن کے بیان کی تائید کرتی ہے۔ خوش قسمتی سے یہ فارسی کتاب ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کی کوشش سے منظرِ عام پر آچکی ہے۔ ہم اس کتاب میں درج فارسی عبارت کو مقالاتِ شیرانی جلد ششم کے حاشیے سے نقل کر رہے ہیں[1]۔ نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں یہ بھی لکھ دیا جائے کہ مقالاتِ شیرانی کی تمام جلدوں کے گرانقدر حواشی اُن کے لائق پوتے اور ایک طرح سے علمی جانشین مظہر محمود شیرانی کے مرتب کردہ ہیں۔ رسالۂ قوانین خطوط کے اصل الفاظ یہ ہیں:

> "و از خوش نویسانِ خراسان مولانا معین الدین فراہی است کہ اکثر خطوط را در غایت جودت بر صفحۂ تحریر می نگاشت و در فضایل و کمالات درجۂ علیا داشت از آثار اقلام او معارج النبوت و تفسیر سورۂ فاتحہ و تفسیر سورۂ یوسف است در شہور سابع و تسع مائۃ در ہرات وفات نمود در مزار خواجہ عبداللہ انصاری مدفون گشت"
>
> (خراسان کے خوش نویسوں میں مولانا معین الدین فراہی (بھی) ہیں جو کہ اکثر خطوں کو انتہائی خوبی کے ساتھ صفحۂ تحریر پر لکھتے تھے اور فضائل اور کمالات میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کی قلمی یادگاروں میں معارج النبوت، تفسیر سورۂ فاتحہ اور تفسیر سورۂ یوسف ہیں ۹۰۷ھ میں ہرات میں وفات پائی اور خواجہ عبداللہ انصاری کے مقبرہ میں دفن ہوئے)

---

[1] ملاحظہ ہو ص ۶۲۶۔

درج بالا بیان میں جو باتیں کہی گئی ہیں وہ تقریباً وہی ہیں جو 'حبیب السیر' میں کہی جا چکی ہیں۔ گمان غالب یہ ہے کہ رسالہ 'قوانین خطوط' کے مصنف کے سامنے حبیب السیر کا کوئی نسخہ ضرور رہا ہوگا۔ اِس گمان کی وجہ دونوں عبارتوں کی حیرت انگیز مماثلت ہے علاوہ بریں یہ بات خاص طور سے نظر میں رکھنے کی ہے کہ "اسرار الفاتحہ" کو تفسیر سورۂ فاتحہ اور حدایق الحقائق کو تفسیر سورۂ یوسف لکھا گیا ہے اُن کو اُن کے اصلی نام سے یاد نہیں کیا گیا ہے۔ تعجب ہے کہ مصنف کے انتقال کے باسٹھ برس بعد جو کتاب لکھی جائے اُس میں اُس کی کتابوں کے پورے نام تک نہ درج کیے جائیں۔ رسالۂ قوانین خطوط کے لکھے جانے کے بیس برس بعد ۹۸۹ھ میں ایک اور رسالہ ریحان نستعلیق تصنیف ہوا تھا جس میں وہی تمام باتیں دہرائی گئی ہیں جو رسالہ قوانین خطوط میں لکھی جا چکی ہیں۔ صرف معین الدین فراہی ہروی کی ایک اور کتاب "قصۂ موسیٰ" (اعجاز موسوی) کا نام ضرور اس میں زیادہ ہے[1]

اب ہم معین الدین فراہی ہروی کے ایک خُرد معاصر محمد بن المبارک قزوینی کے اُس بیان پر نظر ڈالتے ہیں جو انھوں نے اپنے ترجمۂ 'مجالس النفائس' میں اپنی طرف سے لکھی ہیں۔ ابھی تک کے تمام معلوم مآخذ سے محمد بن المبارک قزوینی کے بیان کی تصدیق نہیں ہوتی ہے اور وہ اپنی رائے میں منفرد نظر آتے ہیں مگر صرف اس وجہ سے کہ وہ اپنی رائے اور بیان میں منفرد ہیں اُن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہم کو معین الدین فراہی ہروی کے علمی کاموں کا جائزہ لیتے وقت اس بیان کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیئے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ محمد بن المبارک قزوینی کا بیان کس حد تک صداقت پر مبنی ہے۔ پروفیسر محمد ابراہیم ڈار نے اپنے مقالے میں قزوینی کے بیان کا اردو ترجمہ درج کر دیا ہے۔ جس کو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں :

> "مولانا معین، واعظ مولانا محمد فرہی (فراہی) کا بیٹا ہے۔ یہ بھی اچھا واعظ ہے اور تمام خراسان میں اُس کا وعظ خاص وعام میں مقبول ہے لیکن یہ دیوانہ سا ہے اور اُس کے مرید بھی ایسے ہی ہیں

---

[1] ریحان نستعلیق کا بیان مقالات شیرانی جلد ۶ کے ص ۲۴۶ پر دیکھا جا سکتا ہے۔

چونکہ لوگ اسے دیوانہ سمجھتے ہیں اس لیے جو جی میں آتا ہے منبر پر کہہ دیتا ہے اور کوئی اُس سے باز پرس نہیں کرتا اور کرے بھی کیوں جب کہ دیوانہ اور عاشق مواخذے سے بری ہیں۔ ایک روز اُس نے منبر پر یہ کہہ دیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایمان تقلیدی ہے اور اس کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ وہ حضرت امیر کے اس قول " لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا " (اگر پردہ ہٹا دیا جائے تو میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا) کا مفہوم درست طور پر نہیں سمجھا۔ دیوانگی کے عذر کی بنا پر لوگوں کے مواخذے سے تو بچا رہا لیکن خدائے تعالیٰ نے اسے معذور نہ سمجھا اور ایسے شکنجے میں گرفتار کیا کہ لوگ دیکھ کر دم بخود رہ گئے اور کہنے لگے کہ اگرچہ انھوں نے کوئی گرفت نہیں کی لیکن خدا تعالیٰ نے اُس کو گستاخی کی سزا دی۔ مولانا نظام الدین ایک قابل جوان ہے لیکن منبر کے تختے نے اُس کی قابلیت کو ضائع کر دیا ہے۔ یہ مطلع مُلّا کا کہا ہے:

مگر فصل بہار آمد کہ عالم سبز و خرم شد
مگر وصل نگار آمد کہ دل با وصل ہمدم شد[1]

یہاں پر ایک نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ ابھی تک کے معلوم ماخذوں میں سے کسی ایک میں بھی معین الدین فراہی ہروی کا سال ولادت تحریر نہیں کیا گیا ہے، البتہ اُن کا سال وفات زیادہ تر ۹۰۷ھ بیان کیا گیا ہے، ڈاکٹر سید جعفر سجادی نے ۹۰۸ھ لکھا ہے مگر اپنا ماخذ نہیں تحریر کیا ہے[2] اگر یہ مان لیا جائے کہ انتقال کے وقت معین الدین فراہی ہروی کی عمر ساٹھ برس تھی تو اُن کی پیدائش ۸۴۷ھ کے لگ بھگ ہوئی ہوگی۔

غیاث الدین خواند میر کا سال ولادت لگ بھگ ۸۸۰ھ اور مولد ہرات

---

[1] بحوالہ مقالات شیرانی ج ۶ ص ۵۹۳

[2] حدائق الحقائق طبع سوم، تہران، ۱۳۶۳ھ ش (۱۹۸۵ء) ص ۱۲

بتلایا گیا ہے یعنی اُن کے اور معین الدین فراہی ہروی کے درمیان تینتیس سال کی چھوٹائی بڑائی تھی اس حساب سے ۹۰۷ھ میں جب معین الدین نے اس دنیا کو خیرباد کہا تھا اُس وقت خواندمیر ستائیس اٹھائیس برس کے عاقل و بالغ جوان ہوچکے ہوں گے اور چونکہ دونوں ایک ہی شہر میں رہتے تھے اس لیے گمان غالب یہ ہے کہ غیاث الدین خواندمیر، اپنے بزرگ معاصر سے واقف رہے ہوں گے اور انھوں نے معین الدین فراہی ہروی کے انتقال کے بائیس تیئس سال بعد حبیب السیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ اُن کی ذاتی معلومات پر مبنی ہوگا۔ حبیب السیر کی ابتدا ۹۲۷ھ میں اور تکمیل ۹۳۰ھ میں ہوئی تھی۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ دو ہم عصروں غیاث الدین خواندمیر اور محمد بن المبارک قزوینی کے بیانات میں اتنا بعد کیوں ہے؟ یہ الجھن اس لیے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ محمد بن المبارک قزوینی کی کتاب خواندمیر کی کتاب سے ایک سال پہلے ۹۲۹ھ میں مکمل ہوچکی تھی۔

معین الدین فراہی ہروی کی شخصیت کے بارے میں ہم کو جو کچھ علم ہوسکا وہ درج بالا سطور میں پیش کردیا گیا۔ اب ایک نظر اُن کے زمانۂ حیات پر بھی ڈال لینی چاہیے تاکہ اُن کی تفسیر کا جو انداز بیان ہے اور جو جو موضوعات وہ زیر بحث لائے ہیں۔ اُن کو سمجھنا اور اُن کی قدر و قیمت متعین کرنا ہمارے لیے آسان ہوسکے۔

نویں صدی ہجری کے نصف آخر کا حصہ تیموریوں کے گرگر کر سنبھلنے کا زمانہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر ہمارا یہ گمان درست ہے کہ معین الدین فراہی ہروی ۸۴۷ھ یا اس کے آس پاس کے کسی سنہ میں پیدا ہوئے ہوں گے تو قیاس یہ کہتا ہے کہ اُن کی ولادت تیمور کے بیٹے اور اُن کے ہم نام معین الدین شاہ رخ کے انتقال (۸۵۰ھ) کے دو تین سال قبل ہوئی ہوگی۔ شاہ رخ کے ایک بیٹے میرزا غیاث الدین بایسنقرؒ، معین الدین فراہی ہروی کی ولادت سے پہلے ہی اپنے والد کی زندگی میں ۸۳۷ھ میں اس دنیا سے کوچ کرچکا تھا۔ اِس لیے معین الدین فراہی ہروی نے جب ہوش کی آنکھیں کھولی ہوں گی تو وہ زمانہ الغ بیگ کے عہد حکومت کا رہا ہوگا۔ ابھی وہ چھ برس کے قریب کے ہوئے ہی ہوں گے کہ ۸۵۳ھ میں الغ بیگ کے قتل کی خبر اُن کے کانوں میں پڑی ہوگی جس کو خود اُس کے بیٹے عبداللطیف نے قتل کروا ڈالا تھا۔

قسمت کی ستم ظریفی قابلِ ذکر ہے کہ چھ ہی ماہ کے بعد ۸۵۳ھ میں الغ بیگ کا "سعادت مند" بیٹا عبداللطیف خود مقتولوں کی صف میں کھڑا نظر آتا ہے۔ اس کے بعد تیمور کے پڑپوتے اور جلال الدین میرانشاہ کے پوتے، ابوسعید بن سلطان محمد میرزا ۸۵۵ھ میں تخت نشین ہوا اور ۸۷۳ھ تک حکمرانی کرتا رہا۔ جس وقت ابوسعید نے دنیا سے کوچ کیا اُس وقت معین الدین فراہی ہروی تیس چھبیس برس کے فارغ التعلیم نوجوان رہے ہوں گے۔ کیا عجب ہے کہ اُس زمانے میں اُن کی وعظ گوئی کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا ہو اور تصنیف و تالیف کا بھی۔

معین الدین فراہی ہروی کی فعال اور متحرک زندگی کے بیشتر ایام سلطان حسین میرزای بایقرا کے عہدِ حکومت (۸۷۵ - ۹۱۱ھ) میں گذرے انھوں نے ۹۰۷ھ میں اس دنیا کو اُس وقت خیر باد کہا جب تیموریوں کی شان و شوکت کا سورج ڈوبنے کے قریب تھا ایک طرف صفویوں کی قوت و طاقت آندھی طوفان کی رفتار سے اپنے گرد و پیش کو لپیٹ میں لے رہی تھی تو دوسری طرف اُزبک اپنی قوت بازو کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے قرب وجوار کی سرزمین کو اپنے قبضے میں لینے کے لیے کوشاں تھے۔ سلطان حسین میرزای بایقرا کے عہدِ حکومت تک تیموریوں کا اقتدار برقرار رہا مگر اُس کے اخلاف اُس کی چھوڑی ہوئی سلطنت کو برقرار نہ رکھ سکے اور اُس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا جس کی بنیاد تیمور نے رکھی تھی۔

معین الدین فراہی ہروی کے عہدِ حیات میں یوں تو تصوف کے سب ہی دلبستان اپنے اپنے طور پر فعال و سرگرم تھے۔ مگر تین شیعہ دلبستانوں نے اُس زمانے میں خاصی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ ہمارا اشارہ سلسلۂ صفویہ، سلسلۂ نعمت اللّہیہ اور سلسلۂ نوربخشیہ کی طرف ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سلسلۂ نوربخشیہ کے موسس سید محمد نوربخش قاینی خراسانی کا سالِ وفات ۸۶۹ھ ہے جب کہ معین الدین فراہی ہروی بیس اکیس برس کے ہو چکے ہوں گے اور نوربخش کے مذہبی افکار سے کچھ نہ کچھ آگاہ بھی ہوں گے۔ اگرچہ وہ اپنی تحریروں میں اہلِ سنت والجماعت کے ایک راسخ العقیدہ پیرو نظر آتے ہیں مگر ایک خلش دل میں ہوتی ہے کہ محمد بن المبارک قزوینی نے اپنے ترجمۂ مجالس النفائس میں اُن کی مخصوص مزاجی کیفیت کی طرف جو

اشارہ کیا ہے وہ کسی اور چیز کی تو غمازی نہیں کرتی ؟ اس خلش کے تحت یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معین الدین فراہی ہروی کی تحریروں کا اِس نقطۂ نظر سے بھی مطالعہ کیا جائے کہ وہ نوربخشیہ دبستان تصوف کے افکار و نظریات سے کس حد تک متاثر ہوئے ہیں ؟ امید ہے کہ فارسی ادب کا کوئی طالب علم اس طرف بھی توجہ کرے گا۔

معین الدین فراہی ہروی کو یہ شرف حاصل ہے کہ جامی (۸۱۷ - ۸۹۸ھ) علی شیر نوائی (۸۴۴ - ۹۰۶ھ) اور میر خواند (۸۳۷ - ۹۰۳ھ) جیسے عبقری اُن کے ہم عصر تھے۔ حبیب السیر میں جس انداز سے اُن کی وعظ گوئی کا تذکرہ کیا گیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد کے مشہور ترین واعظ رہے ہوں گے اور ان کی تصانیف سے بھی پڑھا لکھا طبقہ عام طور سے واقف رہا ہوگا۔ خدا جانے کیوں بعد کے تذکرہ نگاروں نے معین الدین فراہی ہروی کا نہ تو شاعر کی حیثیت سے ذکر کیا ہے اور نہ ہی نثر نگار کی حیثیت سے۔ ہمارے زمانے کے مشہور ایرانی مورخ ادبیات ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا نے نہ تو اُن کی شاعری کو قابلِ اعتنا سمجھا ہے اور نہ ہی نثر نگاری کو۔ اگرچہ صاحبِ موصوف معین الدین فراہی ہروی کی دو کتابوں "قصہ موسٰی"[1] یا "معجزات موسوی" اور "داستانِ یوسف و زلیخا"[2] سے واقف ہیں مگر غالباً یہ کتابیں ان کے نزدیک اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کا تفصیلی جائزہ لیا جائے[3]۔

---

[1] اس کتاب کا اصل نام اعجاز موسوی ہے۔ ۱۲۷۲ھ میں عمدۃ المطابع نے اس کو شایع بھی کیا ہے اور اِسی کا ایک نسخہ میرے پیش نظر ہے۔ اس مطبوعہ نسخے کی بعض عبارتوں اور ترقیمے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب معین الدین فراہی ہروی متوفی ۹۰۷ھ کی تحریر کردہ تو ہے مرتب کردہ نہیں ہے۔ ممکن ہے اُن کا کوئی لڑکا ان کا ہم نام ہو اور اُس نے اُن کے "وعظ" کو موجودہ شکل میں ۹۴۰ھ میں مرتب کیا ہو۔ مطبوعہ نسخے کے ترقیمے میں تحریر ہے " فی غرۂ صفر ختم لہ بالخیر والظفر سنۃ اربعین وتسعاتہ (تسعماۃ؟) من الہجرۃ النبویۃ علیہ الصلوٰۃ "

[2] معین الدین ہروی فراہی نے اِس کا نام " حدائق الحقائق فی کشف الاسرار الدقائق"، رکھا ہے معلوم ہوتا ہے یہ کتاب صفا صاحب کی نظر سے نہیں گذری ہے۔

[3] تاریخ ادبیات در ایران ج ۴، ص ۴۰۷۔

اِن ابتدائی باتوں کے بعد اب ہم اُن کی تفسیر سورۂ فاتحہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ اِس تفسیر کا نام خود مفسر نے اسرار الفاتحہ رکھا ہے اور ہندوستان میں اِسی نام سے نولکشور پریس لکھنؤ نے اس کو ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۸ء میں شائع کیا ہے۔ ناشر نے خاتمۃ الطبع میں لکھا ہے کہ اِس "جنس کمیاب" اور "گوہر نایاب" کی تلاش میں جو "طالبان" تھے وہ اپنی سعی وجستجو سے مایوس ہو چکے تھے۔ اُسی عالم میں بہ ہزار دقت وجستجو اِس کا ایک نسخہ پشاور کے علماء کے پاس سے حاصل ہوا اُسی مخطوطے سے اِس مطبوعہ نسخے کی کتابت کروا کر اِس کو شائع کیا گیا۔ اس خاتمۃ الطبع سے اِس بات کا علم ہوتا ہے کہ نولکشوری مطبوعہ متن موجودہ زمانے کی روش کے مطابق مرتب نہیں کیا گیا ہے بلکہ کاتب نے جو کچھ اور جس طرح مخطوطے کو لکھا تھا اُس کو من وعن شائع کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے کاتب کی وہ تمام سہو وخطا بھی متن کا ایک حصہ بن گئی ہے جو کتابت کے دوران اُس سے سرزد ہوئی تھی۔ یہ تفسیر "۸×"۱۱ کے سائز کے ۵۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ صرف اِس ضخامت ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سات آیتوں کی جو تفسیر ۵۳۲ صفحات میں لکھی جائے گی اُس میں کیا کچھ نہ ہوگا۔

ایک اہم بات اِس تفسیر کی یہ بھی ہے کہ یہ مخلوط زبان میں لکھی گئی ہے یعنی اِس کا تقریباً نصف حصہ عربی میں ہے اور نصف فارسی میں۔ اس مخلوط زبان کے مطالعے سے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ نویں صدی ہجری کے نصف آخر کے حصے میں ہرات اور نواحِ ہرات میں عربی زبان جاننے اور پڑھنے والوں کی اچھی خاصی تعداد رہی ہوگی اور اس زمانے میں بھی ہرات جیسے عجمی علاقے میں عربی کو علمی زبان کی حیثیت حاصل ہوگی ورنہ معین الدین فراہی ہروی اِس "سعی لاحاصل" کے مرتکب کیوں ہوتے؟ اِسی مخلوط زبان کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان ہو یا ایران "اسرار الفاتحہ" سے مستفید ہونے والوں کی تعداد "حدائق الحقائق" سے مستفید ہونے والوں کی تعداد سے کہیں کم ہے۔

معین الدین فراہی ہروی کے قول کے مطابق یہ کتاب ایک مقدمہ پندرہ مجلسوں پر مشتمل ہے اور ہر مجلس پندرہ فصلوں پر اور ہر فصل میں لطائف اور اسرار

بیان کیے گئے ہیں۔ انھوں نے اپنی تفسیر کی ابتدا میں تمام مجلسوں اور فصلوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے جن کو پورا کا پورا نقل کرنا نہ ضروری ہے اور نہ ہی مفید اس لیے ہم ان کی تحریر کردہ تفصیل کا ابتدائی اور آخری حصہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس کے مطالعے سے اندازہ ہوجائے گا کہ انھوں نے اس تفسیر میں کیا کیا لکھا ہے۔ یہاں اس بات کی بھی یاددہانی ضروری ہے کہ اِس تفسیر سورۂ فاتحہ کا نام "اسرارالفاتحہ" خود مفسر کا رکھا ہوا ہے۔

مقدمہ سورۂ فاتحہ کے فضائل پر مشتمل ہے۔ اس میں تین فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں وہ احادیث اور اخبار نقل کیے گئے ہیں جو اس کے فضائل میں وارد ہوئے ہیں۔ اِسی طرح اس میں آثار صحابہ وتابعین بھی مذکور ہیں۔ احادیث کی مجموعی تعداد بائیس اور آثار کی سات ہے۔ دوسری فصل میں وہ اشارات بیان کیے گئے ہیں جو مفسر کے نزدیک اس سورہ میں مذکور ہیں، جن کی تعداد اٹھارہ ہے۔ پہلے اشارے میں مزید دوسرے سات اشارے اور ساتویں میں سات احکام بیان کیے گئے ہیں۔ تیسری فصل اس سورہ کے اسرار و رموز کے بیان پر مشتمل ہے جن کی تعداد دس ہے اور اِن میں پانچ لطائف بھی مذکور ہیں۔

معین الدین فراہی ہروی نے مقدمہ کی دوسری فصل کے دسویں اشارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس کے مطالعہ سے ہم اپنے تحلیل وتجزیہ کا آغاز کرتے ہیں[1]:

> "بعضی از اہل اشارت از روی بشارت در تعداد حروف تعیین کلمات این سورۂ کریمہ چنین ایراد فرمودہ اند کہ الحمد پنج حروف اشارت بہ پنج نماز تواند بود تا ہر کہ الحمد برخواند تدارکِ تقصیراتِ پنج وقتِ نماز او گردد۔ للّٰہ سہ حرف است، سہ را با پنج ضم کنی ہشت شود، بکلمۂ الحمد للّٰہ مستحقِ در آمدنِ ہشت بہشت گردد۔ رب العالمین دہ حرفت ، دہ را با ہشت ضم کنی ہژدہ شود عالمہا ہژدہ ہزار است، خوانندۂ این ہژدہ حردف را ثواب بشمار ہژدہ ہزار عالم باشد۔ الرحمٰن شش حرف است با ہژدہ ضم کنی بیست وچہار می شود

---

[1] ص ۲۳-۲۴

شبانہ روزی بیست وچہار ساعت است ہر کہ این حروف را با اعتقاد تمام بگوید کفارتِ گناہانِ بیست وچہار ساعتِ شبانہ روزی وی گردد۔ الرحیم شش حرف دیگر است، شش را با بیست وچہار ضم کنی سی شود وہر ماہی سی روز است تکلم باین کلمات سبب مغفرتِ گناہان سی روزۂ او گردد۔ مالک یوم الدین دوازدہ حرف وسالی دوازدہ ماہ، خوانندۂ این آیت اصلاح دوازدہ ماہ سالی نمودہ باشد، ایاک نعبد ہشت حرف است وما تقبل چہل ودو مجموع پنجاہ شود ومقدار روز قیامت پنجاہ ہزار سال است حق تعالیٰ خوانندۂ این پنجاہ حرف را از عقبات آن پنجاہ ہزار سال بسلامت بگذراند وایاک نستعین یازدہ حرف است باحروف ما تقدم شصت ویکی باشد وشمار دریا با شصت ویکی است۔"

(اہلِ اشارت میں سے بعض نے بشارت کے ذریعے اس سورۂ کریمہ کے حروف کی تعداد کے تعین کے لیے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ الحمد کے پانچ حرف پانچ نمازوں کی طرف اشارہ ہو سکتے ہیں کیونکہ جو شخص بھی الحمد پڑھتا ہے اس کی پانچوں وقتوں کی نمازوں کی غلطیوں کا تدارک ہو جاتا ہے۔ للہ کے تین حرف ہیں، تین کو پانچ میں جوڑ دو تو آٹھ ہو جاتا ہے کلمۂ الحمد للہ (کہنے) کی وجہ سے وہ (شخص) ہشت بہشت میں داخل ہونے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ رب العالمین دس حرف ہے۔ دس کو آٹھ میں جوڑ دو تو اٹھارہ ہو جاتا ہے۔ عالموں کی تعداد اٹھارہ ہزار ہے۔ ان اٹھارہ حرفوں کے پڑھنے والے کو اٹھارہ ہزار عالموں کے برابر ثواب ملتا ہے۔ الرحمٰن کے چھ حروف ہیں۔ ان کو اٹھارہ میں جوڑ دو تو چوبیس ہو جاتے ہیں، دن اور رات کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں جو شخص بھی پورے اعتقاد کے ساتھ ان حروف کو کہتا ہے اس کے دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں کے اندر سرزد ہونے والے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔ الرحیم کے دوسرے چھ حرف ہیں۔ چھ کو چوبیس سے جوڑ دو تو تیس ہو جاتے ہیں اور ہر مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے۔ اِن حرفوں کو ادا کرنا اُس کے تیس دنوں کے (کیے ہوئے) گناہوں کے عذاب سے نجات کا سبب بنتا ہے۔ مالک یوم الدین کے بارہ حروف ہیں اور ایک سال بارہ مہینوں کا، اِس آیت کے پڑھنے والے کو سال کے بارہ مہینوں

(میں) بھلائی دکھائی جاتی ہے ۔ ایاک نعبد کے آٹھ حروف ہیں، پہلے کے بائیس حروف، اِن کا مجموعہ پچاس ہوتا ہے اور قیامت کے دن کی درازی پچاس ہزار سال ہے۔ حق تعالیٰ اِن پچاس حرفوں کے پڑھنے والے کو اُن پچاس ہزار سال کے عذابوں سے سلامتی کے ساتھ گزار دے گا۔ وایاک نستعین میں گیارہ حرف ہیں۔ پہلے کے حروف (کی تعداد) کے ساتھ یہ اکسٹھ ہو جاتے ہیں۔ سمندروں کی تعداد بھی اکسٹھ ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اِن کلمات کے پڑھنے والے کے نامۂ اعمال میں سمندروں کے قطروں کی تعداد کے برابر نیکیاں لکھ دیتے ہیں اور گناہوں سے درگذر کرتے ہیں۔)

"اہدنا الصراط یازدہ حرف ست با شصت ویکی ہفتاد و دو باشد و تعدادِ فرق این امت ہفتاد و دو است کہ در کوئی بدعت وضلالت گمراہ گشتہ اند حق تعالیٰ خوانندۂ این حروف را از نکبات وضلالاتِ این فرقہ بانگاہ دارد و بجادۂ استقامتِ فرقۂ اہلِ سنت وجماعت مشرف کند۔ المستقیم ہشت حرف است با ہفتاد و دو ہشتاد شود، وحد قذف ہشتاد تازیانہ است حق تعالیٰ خوانندۂ این حروف را از جنایت وحدود آن بکمالِ عنایت مصوُن ومحفوظ دارد صراط الذین انعمت علیہم نوزدہ حرف است، نوزدہ با ہشتاد نود ونُہ باشد و حق تعالیٰ را نود ونُہ نام است، خوانندۂ این حروف ثواب این نامہای نود ونُہ نام یا بد و ببرکت احصای آن مستوجبِ داخلِ جنت گردد۔ غیر المغضوب علیہم پانزدہ حرف است با نود ونُہ صد وچہاردہ می شود ثوابِ تلاوتِ صد و چہاردہ سورۂ قرآن یابد۔ ولا الضالین دہ حرف است با صد وچہاردہ صد و بیست وچہار گردد۔ حق تعالیٰ صد و بیست وچہار ہزار پیغمبر بر خلق فرستادہ خوانندۂ این سورۃ ثوابِ متابعت ہمہ انبیا بیابد و بدولت شفاعت ایشان مشرف گردد۔ آمین چہار حرف است خوانندۂ این چہار حرف بچہار کرامت مخصوص گردد اول در دم آخر از سلب ایمان نجات یابد، دوم از سکرات مرگ محفوظ باشد سوم جواب منکر ونکیر بصواب بگوید۔ چہارم حساب بروی آسان گردد از صراطش بسلامت بگذراند و در بہشت در آرد و بہ لقای خویش مشرف گرداند"

(اہدنا الصراط میں گیارہ حروف ہیں۔ اکسٹھ سے مل کر (یہ عدد) بہتر ہوجاتا ہے
اور اِس امت کے اُن فرقوں کی بھی تعداد بہتّر ہے جو بدعت اور ضلالت کے
کوچے میں آکر اپنی راہ گم کر بیٹھے ہیں۔حق تعالیٰ اِن حروف کے پڑھنے والے
کی ان فرقوں کی بدبختیوں اور ضلالتوں سے حفاظت کرتا ہے اور انھیں اہل سنت
والجماعت کے استقامت کے راستے (پر چلنے) سے شرف یاب کرتا ہے۔
المستقیم کے آٹھ حروف ہیں جو بہتّر سے مل کر اسّی ہوجاتے ہیں۔قذف (کسی خاتون
کے کردار پر بہتان تراشی) کی حد (سزا) اسّی کوڑے ہیں۔حق تعالیٰ اپنے کمالِ
عنایت سے اِن حروف کی تلاوت کرنے والے کو قذف کے جرم اور اس
جرم کی سزا سے محفوظ و مامون رکھتا ہے۔صراط الذین انعمت علیہم انیس حروف ہیں۔
اُنیس، اسّی سے مل کر ننانوے ہوجاتے ہیں اور حق تعالیٰ کے نام ننانوے ہیں۔
اِن حروف کی تلاوت کرنے والا اُن ننانوے ناموں کو پڑھنے (کے برابر) ثواب
پاتا ہے اور اِن کے ورد سے جنت میں داخل ہونے کا اہل ہوجاتا ہے۔غیر
المغضوب علیہم، پندرہ حروف ہیں ننانوے سے مل کر یہ ایک سو چودہ
ہوجاتے ہیں (اِن حروف کو پڑھنے والا) قرآن کی ایک سو چودہ سورتوں کی
تلاوت کے برابر ثواب پاتا ہے۔ ولا الضالین دس حروف ہیں، ایک سو
چودہ سے مل کر ایک سو چوبیس ہوجاتے ہیں۔حق تعالیٰ نے خلق پر ایک سو
چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔اس سورہ کو پڑھنے والا جملہ انبیاء کی پیروی کرنے
کے برابر ثواب پاتا ہے اور اُن کی شفاعت کی دولت سے مشرف ہوتا
ہے۔آمین کے چار حرف ہیں، اِن کا پڑھنے والا چار انعامات کے لیے مخصوص
ہوجاتا ہے۔اول تو یہ کہ دم آخر ایمان کے سلب ہونے سے نجات پاتا ہے۔
(یعنی اُس کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے) دوسرے یہ کہ سکرات سے محفوظ رہتا ہے
تیسرے یہ کہ منکر نکیر کے سوالات کے جوابات صحیح دیتا ہے چوتھے یہ کہ اس کے
لیے (روزِ قیامت کا) حساب کتاب آسان ہوجاتا ہے اللہ اس کو سلامتی
کے ساتھ صراط سے گذار دیتا ہے اور جنت میں لے آتا ہے اور اُس کو
اپنے دیدار سے مشرف کرتا ہے)

معین الدین فراہی ہروی کی ایک مسلسل تحریر کو اپنی اور قارئین کی آسانی کے لیے ہم نے دو حصوں میں تقسیم کر کے نقل کیا ہے ۔ اردو اور فارسی کی قدیم تحریروں کا ایک بڑا نقص "قدما کہتے ہیں" "مورخین نے بیان کیا ہے"، "مفسروں نے لکھا ہے" "فقہا، کا خیال ہے" جیسے فقروں کا اندھا دھند استعمال ہے جن کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہوتا کہ کیا واقعی قدما، مفسرین یا فقہا نے وہی کہا ہے جو بیان کیا جارہا ہے یا لکھنے والا یہ حوالے دے کر اپنے قاری کو مرعوب کر رہا ہے ۔معین الدین فراہی ہروی کی تحریریں بھی اس نقص سے خالی نہیں ہیں۔ اس اقتباس کے شروع میں انھوں نے جن "اہل اشارت" کا ذکر کیا ہے اُن کے بارے میں ہم کو یہ قطعی علم نہیں ہے کہ یہ کون لوگ تھے، دیوانے تھے یا کھسکے ہوئے، فاتر العقل یا کسی مخصوص جذبے کے اسیر، اہل صحو میں تھے یا اہل سُکر میں ۔طبعی (Normal) طور کے انسان تھے یا نقطۂ اعتدال سے ہٹے ہوئے؟ (Abnormal) جب "اہل اشارت" کے بارے میں ہمارے علم میں کچھ ہے ہی نہیں تو ہم اُن کی "بشارت" کو واقعی اور حقیقی بشارت کیسے سمجھیں؟ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ معین الدین فراہی ہروی جس بات کو بشارت سمجھے ہیں وہ کوئی شیطانی دغدغہ ہو یا وسوسہ ۔اِن تمام باتوں سے قطع نظر درج بالا اقتباسات سے اس بات کا ضرور ثبوت مل جاتا ہے کہ معین الدین فراہی ہروی "دور کی کوڑی" لانے کے فن میں ماہر تھے ان کا حساب پختہ اور ذہن اتنا حاضر تھا کہ حروف کے اعداد کا سلسلہ عقاید کے کسی نہ کسی ایسے گوشے سے ملا دیتے ہیں کہ عقل اُن کی "ذہانت" پر حیران ہو کر رہ جاتی ہے ۔جہاں چاہتے ہیں ہزار کے عدد کا اضافہ کر دیتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں ماہ و سال کی گردش کا ذکر فرما دیتے ہیں، جہاں موقع ملتا ہے ساعتوں کا نقشہ کھینچ دیتے ہیں۔ غرض کہ وہ اپنی بات کو اس طرح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اُن کا قاری کچھ دیر کے لیے تو دھوکے میں پڑ ہی جائے۔

درج بالا اقتباس کو پڑھنے سے ایک گمان یہ بھی ہوتا ہے کہ معین الدین فراہی ہروی شاید رویت باری تعالیٰ کے قائل تھے ۔ہمارے اس گمان کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے آمین کہنے کی "کرامات" کا ذکر کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے کہ آمین

کہنے والے بندے کو اللہ اپنے دیدار سے مشرف فرماتا ہے۔ اس جملے سے تو یہی مطلب نکلتا ہے کہ آمین کہنے والا بندہ اپنی ظاہری آنکھوں سے قیامت کے دن باری تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوگا۔ نجانے کیسے معین الدین فراہی ہروی یہ تحریر کرنا فراموش کر گئے کہ آمین زور سے کہنا چاہیے یا دھیرے سے، اگر وہ اس بات کی بھی صراحت کر دیتے تو ہم کو اُن کے فقہی مسلک کا بھی علم ہوجاتا۔

اپنی اس تحریر میں معین الدین فراہی ہروی نے سمندروں کی تعداد اکسٹھ بتلائی ہے۔ ظاہر ہے اسرار الفاتحہ جغرافیہ کی نہیں تفسیر کی کتاب ہے اور اس سے یہ توقع رکھنا فضول ہے کہ وہ کوئی ٹھوس جغرافیائی علم ہم کو دے سکے گی مگر اس سے اتنی بات کا ضرور پتہ چلتا ہے کہ نویں صدی ہجری کے اواخر کے پڑھے لکھے افراد کے نزدیک سمندروں کی تعداد اکسٹھ تھی۔ اس مسئلہ پر تو کوئی جغرافیہ داں ہی حتمی فیصلہ کر سکتا ہے کہ کل سمندروں کی تعداد کتنی ہے۔ یہاں پر فارسی لفظ دریا غلط فہمی کا باعث بن رہا ہے۔ فارسی میں سمندر کے لیے بحر اور دریا دونوں الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ اکسٹھ کی تعداد کی وجہ سے ہم نے لفظ دریا کا ترجمہ سمندر کیا ہے کیونکہ اکسٹھ دریا تو ایک ہی ملک میں مل جائیں گے۔

علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت خروجِ دجّال بھی بتلائی جاتی ہے۔ یہ دجّال کون ہے؟ کہاں سے آئے گا؟ ماں کے پیٹ سے عام انسانوں کی طرح پیدا ہوگا یا کسی جنگل، بیابان یا پہاڑ کے غار سے دفعتًا نمودار ہو جائے گا، اِن باتوں کے بارے میں کسی کو کوئی حتمی علم نہیں ہے۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ اس کی شخصیت، جائے پیدائش، کردار، زمانۂ پیدائش وغیرہ کے بارے میں عہدِ اولین سے ہی علماء اور مفسرین میں اختلاف ہے۔ معین الدین فراہی ہروی نے مالک یوم الدین کی تفسیر لکھتے ہوئے جہاں علاماتِ قیامت کا ذکر کیا ہے وہیں خروجِ دجّال کے بارے میں ایک خاصہ طویل باب لکھا ہے۔ اس باب میں ایک نسبتًا طویل روایت ایسی نظر آئی جو ہماری نظر سے کسی اور جگہ نہیں گذری۔ ہم معین الدین فراہی ہروی کی اس روایت کو شاذ سمجھتے ہوئے نقل کر رہے ہیں۔ اس روایت کے مطالعے سے اس بات کا بھی علم ہوجاتا ہے کہ معین الدین فراہی ہروی کے عہدِ حیات

میں دجّال کے بارے میں ایسی بھی روایت موجود تھی ۔ یہ روایت مسلسل عبارت میں تحریر کی گئی ہے ہم اپنی اور قارئین کی آسانی کے لیے اس کو ٹکڑوں میں تقسیم کر رہے ہیں ۔ اس روایت کا عنوان یوں ہے ۔" درذکر ولادت او وکیفیت ملاقات او بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ودعای حضرت بدفع شراو۔"

"دراخبار چنین وارد گشتہ کہ دجّال ضال درایام دولت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم از مادر متولد شد۔ آوردہ اند کہ چون خواجہ علیہ السلام بمدینہ تشریف می فرمودند بہ مجتمع السال کہ مزرعۂ شعب بن حارث بود بہ دو سنگی مدینہ رسید، عنان مرکب باز کشید و فرمود یا ابابکر ولادتِ دجّال درین قریہ خواہد بود و نام پدر او سائد یہودی ست و بروایت مصابیح صیا و اسم مادر او کیا بنہ وجہود ان او راقطانہ خوانند وچوں آنحضرت بہ مدینہ نزول فرمود چہارشنبۂ ہمان ہفتہ وقت اصفرارِ شمس دجّال متولد شد وچون بزمین آمد درحال بنشست وبی اہمال سخن گفتن آغاز کرد و خود را یاد می کرد و زود از دُمی بالید وچشم راست وی چون دانۂ انگور کہ بر سر آب آید بیرون آمدہ وعین یسارِ وی خود ممسوخ بود وبروایتی آنکہ چشم راست وی ممسوخ وچشم چپ او سبز بیرون آمدہ ، این عجوبۂ انام را مادر دجّال نام کرد ۔ پدر وی مسیح لقب نہاد وکنیتش ابو یوسف مقرر گشت ودران وقت کہ دجّال قدم از نقطۂ عدم بخطۂ وجود آورد عبداللہ بن مسعود ومحمد بن سلمہ رضی اللہ عنہما بکفایت مہمی رفتہ بودند چون بہ مجتمع السال رسیدند آن جا فتنہ ہائل برخاستہ بود پرسیدند کہ این مشغلہ چیست ؟ گفتند امر غریبی بظہور پیوستہ پسری از مادر بزادہ وہمان ساعت پشت بہ دیوار باز نہادہ وروی بہ مردم آوردہ بہ ایشان سخن می گوید وخود را یاد می کند ، ابن مسعود ومحمد رضی اللہ عنہما چون این عجب بشنیدند بوثاق دجّال آمدند مادرش ایشان پیش وی راہ داد ، ترکیب عجیب وہیبت مہیب مشاہدہ کردند بر تختۂ پیشانی او بنقش صنع یزدانی نوشتہ کہ الکافر باللہ وبروایتی ک ف ر ، این سہ حرف مقطع مثبت ساختہ پس از آنجا غمگین واندوہگین برخاستند ودل بریان وچشم گریان روی بہ مدینہ نہادند پیش از نماز خفتن بود کہ بحضرت سلطان السلاطین نبوت وبرہانِ خواقین فتوت صلی اللہ

علیہ وسلم حاضر آمدند واز ولادت دجال وکیفیت احوال اورا اعلام دادند۔"
(روایتوں میں یوں آیا ہے کہ گمراہ دجال دنیا کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ماں (کے پیٹ) سے پیدا ہوا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لا رہے تھے، مدینے سے دو سنگ میل قبل مجمع السال کے مقام پر (اُس جگہ) پہونچے جہاں شعب بن حارث کی کھیتی باڑی تھی تو آپؐ نے اپنی سواری روک لی اور فرمایا، اے ابوبکر دجال کی پیدائش اسی قریے میں ہوگی اس کے باپ کا نام سائد یہودی ہے۔ مصابیح کی روایت کے مطابق (دجال کے باپ کا نام صیاد ہے) اور اُس کی ماں کا نام کیاہنہ اور اس کو یہود قطانہ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن مدینے میں نزول فرمایا اُسی ہفتے کے بدھ کے دن سورج کے زرد پڑنے کے وقت دجال پیدا ہوا۔ جب وہ (ماں کے پیٹ سے) زمین پر آیا فوراً ہی بیٹھ گیا اور روانی سے باتیں کرنی شروع کردیں[1] اور اپنا ذکر کرنے لگا جلد ہی اس کی ایک دم نکل آئی اور اس کی داہنی آنکھ انگور کے ایسے دانے کی طرح باہر نکل آئی جو کہ پانی کی سطح پر ہو اور اُس کی بائیں آنکھ بدہیت تھی اور ایک (دوسری) روایت کے مطابق اُس کی داہنی آنکھ بدہیت اور بائیں آنکھ ہرے رنگ کی باہر نکلی ہوئی تھی۔ اس عجیب انسان کا نام ماں نے دجال رکھا، باپ نے اس کو مسیح کا لقب دیا اور کنیت ابو یوسف قرار دی۔ اُس وقت جب کہ دجال نے نقطۂ عدم سے خطۂ وجود میں قدم رکھا عبداللہ ابن مسعود اور محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہما ایک مہم کو سر کرنے تشریف لے گئے تھے۔ جب وہ لوگ مجمع السال پہونچے وہاں فتنۂ عظیم برپا تھا اُن حضرات نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ایک عجیب وغریب بات ہوئی ہے۔ ماں کے پیٹ سے ایک لڑکا جس وقت پیدا ہوا اُسی وقت دیوار سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گیا ہے اور لوگوں کی طرف اپنا رخ کرکے

---

[1] یہ بات آریائی ذہن کی غماز ہے۔ ہندو مذہب کے معتقدات کے مطابق راون کا بیٹا بھی پیدا ہونے کے معاً بعد پورا مرد بن گیا تھا۔

ان سے گفتگو اور اپنا بکھان کرتا ہے ۔ ابن مسعود اور محمد رضی اللہ عنہما نے جب یہ تعجب خیز بات سنی تو وہ حضرات دجال کے گھر تشریف لائے ۔ اس کی ماں نے اُن حضرات کو اُس تک جانے کا راستہ دیا وہاں اُن لوگوں نے ایک عجیب طرح کی ڈراؤنی صورت دیکھی ۔ اس کی پیشانی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الکافر باللہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق ک ف ر یہ تین حروف واضح طور پر نقش تھے ۔ اِس کے بعد وہ حضرات وہاں سے اٹھے اور بادلِ بریان وچشم گریان مدینے کی طرف روانہ ہوئے ۔عشاء کی نماز سے قبل کا وقت تھا نبوت کے سلطانوں کے سلطان اور فتوت کے خاقانوں کے رہبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دجّال کے پیدا ہونے اور اُس کے حالات کی کیفیت آپ سے بیان کی)

"روز دیگر مہتر عالم و قدوۂ اولاد آدم صلی اللہ علیہ وسلم قدم در رکاب آوردہ بہ مقتضای الرفیق ثم الطریق عبداللہ بن مسعود و عمر فاروق را رضی اللہ عنہما سرفراز گردانیدہ و روی بمجتمع السال کہ مسقط حال دجّال بدنام بودہ است ۔ آوردہ اند چون آن جا رسیدند امیر المومنین حلقہ بر در زد ، مادر دجّال استعجال نمود چون مشاہدۂ سید مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کرد بازگشت ، دجّال را اخبار کرد ، دجّال بہ در آوردن ایشان اشارت کرد ، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم در وقت در آمدن با یارانِ فرمود کہ در دل حرفی اندیشیم تا دجّال آنرا بفراست تواند دریافت یانی ۔حمٓ دخان در ضمیر گرفتند و بہ دجّال در آمدند ۔ مربع نشستہ بود ۔ بادبیزن در دست گرفتہ خود را بادمی کرد و ساعت بہ ساعت بزرگ می شد و بانظارگیان از ہر باب سخن می گفت ۔حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بہ او اشارت فرمود و گفت ، یا دجّال اشہد بانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ دجّال سخن آغاز کردہ گفت یا محمد تو خود گواہی دہ کہ من خدایم ۔سید عالم فرمود ۔ لک یا ملعون ۔ یار دوم شہادت بروی عرض کرد ۔ ہمان جوابِ ناصواب باز ہمون بیہودہ بر زبان راند ۔چون مہتر عالم و سرور اولاد آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام از وی ناامید گشت بحدیث دیگر خوض فرمود و از وی استفسار ما فی الضمیر نمود ۔ دجّال بر سبیل ارتجال گفت وخرج یعنی حم

دخان خواہد، فرمود بلک اللہ و از او پناہ بحضرت خداوند جل و علا برد، آن گاہ فاروق کہ بر فرق تاج صلابت داشت و بر دوش ردای مہابت۔ تیغ از نیام برکشید و بر تارک نامبارک وی فرود آورد، شمشیر بالفور باز گشت و بر فرق فاروق چہار انگشت درنشست ۔ چنانکہ خون بروی و موی فاروق فرو دوید و بر دجّال ہیچ اثر نہ کرد۔ آن گاہ خواجہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ازین معنی بغایت غمگین و مجروح خاطر گشت و گفت: ای عمر انک لن تستیع ان ترد قضاء اللہ تعالیٰ بعد از آن دست حق پرست بر فرق فاروق فرود آورد و لب بر ثنای الٰہی و دعا شفا خواہی برکشاد و آن زخم ہائل بمیامن ادعیۂ صالحۂ حضرت نبوت و آن جراحت براحت بدل گشت پس از آنجا برخاستند و بہ مدینہ کہ مرکز جلال و مستقر اقبال خواجۂ کائنات بود علیہ الصلوٰۃ والسلام باز آمدند“

(دوسرے دن دنیا کے اعلیٰ ترین فرد، اولاد آدم کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے رکاب میں قدم رنجہ فرمایا اور اس تقاضے کی بنا پر کہ سفر میں کوئی ساتھی ہو، عبداللہ بن مسعود اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو رفیق راہ بننے کے شرف سے مشرف فرمایا اور (اُن حضرات کے ساتھ) دجّال بدنام کے پیدا ہونے کی جگہ مجمع السال کی جانب روانہ ہوئے ۔ جب وہ حضرات وہاں پہونچے امیرالمومنین نے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائی۔ دجّال کی ماں جلدی سے باہر آئی۔ جب اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو واپس گئی اور دجّال کو خبر کی۔ دجّال نے (اپنی ماں کو) اُن حضرات کو اندر لانے کا اشارہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آتے وقت اپنے اصحاب سے فرمایا میں اپنے دل میں ایک بات سوچتا ہوں دیکھوں دجّال اپنی فراست سے اس کو سمجھ پاتا ہے یا نہیں؟ انھوں نے (سورۂ) دخان کی حم اپنے دل میں سوچی اور دجّال کے پاس آئے وہ پلتھی مارے ہوئے بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھ میں پنکھا لیے خود کو جھل رہا تھا اور ہر گھنٹے بڑھ رہا تھا۔ اُس کے گرد اس کو دیکھنے والوں کا جو مجمع تھا اُس سے ہر موضوع پر بات کر رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ اے دجّال شہادت دے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ دجّال نے بات شروع کرتے ہوئے

کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ خود گواہی دیں کہ میں (دجّال) خدا ہوں سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، اے لعنتی تجھ پر اللہ کی لعنت ہو، آپ نے دوبارہ اس سے (اپنے رسول ہونے کی) شہادت طلب کی، اُس نے وہی غلط جواب دوبارہ دیا۔ تیسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ (کہنے) کی اس کو ترغیب دی وہ پھر وہی بیہودہ بات اپنی زبان پر لے آیا۔ جب دنیا کے اعلیٰ ترین فرد اور اولاد آدم کے سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس سے ناامید ہو گئے آپؐ نے دوسری بات کی طرف رجوع فرمایا: اور اُس کے بارے میں سوال کیا۔ دجّال نے فوراً کہا (سورۂ) دخان کی حتم ہو گی۔ آپ نے فرمایا اللہ تجھ کو ہلاک کرے (پھر) آپ نے اُس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگی۔ اُس وقت فاروق (رضی اللہ عنہ) نے جو کہ سر پر فولادیت کا تاج اور کاندھوں پر ہیبت کی چادر رکھتے تھے، اپنی میان سے تلوار نکالی اور اُس کے نامبارک سر پر دے ماری۔ تلوار فوراً واپس ہوئی اور فاروق (رضی اللہ عنہ) کی پیشانی میں اس طرح چار انگل گھس گئی کہ اُن کے بالوں اور چہرے پر خون رواں ہو گیا۔ دجّال پر (تلوار کی ضرب کا) کوئی اثر نہیں ہوا۔ اُس وقت آنحضرت علیہ السلام اِس بات سے بہت دل شکستہ اور غمگین ہوئے اور آپ نے فرمایا "اے عمر تم اس پر قدرت نہیں رکھتے کہ اللہ کی قضا کو رد کر دو" اِس کے بعد آپ نے اپنا حق پرست ہاتھ فاروق (رضی اللہ عنہ) کے سر پر رکھا اور اپنے ہونٹوں کو اللہ تعالیٰ کی ثنا اور (فاروقؓ) کی شفا کی دعا کے لیے کھولا وہ خطرناک زخم اور وہ چوٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صالح دعاؤں کی برکت سے راحت میں تبدیل ہو گئی۔ اِس کے بعد وہ حضرات وہاں سے اٹھے اور اُس مدینے واپس آ گئے جو خواجہ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جلال کا مرکز اور اقبال کا جائے قیام تھا۔)

"و روایتی ہست کہ دجّال عقب آنحضرت نعلین عدوان در پای کردہ عصای عصیان در دست گرفتہ بمدینہ آمد و چون خلق خلقت کریہ و ہیبت شوہئ وی مشاہدہ کردند گروہ انبوہ کردہ گرد وی در آمدند۔ دجّال استعجال نمودہ بر کوہ دوید و از قلۂ کوہ سنگ باشکوہ برکند و آن گروہ را در وی محبوس کرد چنانکہ منافذ طرق

بدان صخرۂ صما سد و گشت و چون سدّ ذوالقرنین در نظر آن قوم استوار نمود۔ مومنان ہولناک شدند و از دست مکر و دستان غدر او بغایت ترسیدند عمر رضی اللہ عنہ بسید علیہ السلام در آمد گونۂ او متغیر گشتہ مہتر عالم فرمود یا عمر چہ حادث گشتہ است آثار تغیر در جبین تو مُبیّن است و نشان پریشانی بر پیشانی ظاہر۔ گفت، یا رسول اللہ شر دجّال و فتنۂ آن بطّال ظہور کرد و جمعی از مومنان را در جای محبوس کرد بصخور صما مستحکم گردانید و بکید و سحر آن سنگ بر دیوار مشید ساخت، آن گاہ زبدۂ عالم برخاست با زمرۂ اتباع و اشیاع بیرون آمد دست بہ دعا برداشتہ گفت ملکا ذو الجلالا مکر شر یا شر این ملعون را از امت من تو دفع گردانی تا بآن اجل مسمیٰ کہ تو دانی سمیع الدعا جل و علا دعای او بسمع اجابت اصغا در حال بی اہمال از مرغزار آسمان قدرت مرغی نازل گشت و دجّال را بچنگال نکال گرفتہ بہ ہوای عام در اوج بُرد (در اصل 'درد' آمدہ) ہر چند دجّال ابتہال می نمود و فریاد می کرد کہ یا محمد مرا از چنگال نکال این مرغ نجاتی عطا فرما و از منقار عقاب ابن عقاب خلاص ارزانی دار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم آن مرغ را بتازیانہ امر اشارت می کرد کہ او را از این دیار دور ببر (در اصل "بیر" آمدہ) گویند کہ آن طیر سریع السیر دجال را چندان برد کہ بدیار طبرستان رسانید بدریای کہ بجوار آن طرف است در جزیرۂ انداخت"

(اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کے بعد دجال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے دشمنی کے جوتے پاؤں میں پہنے اور گناہوں کا عصا ہاتھ میں لیے مدینے آیا جب لوگوں نے اس کا کریہہ ناک نقشہ اور منحوس شکل دیکھی لوگوں کا گروہ اس کے گرد جمع ہو گیا دجال جلدی سے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور چوٹی پر بڑے بڑے پتھر کھودے اور (غار بنا لیا) لوگوں کو اُس (غار) میں قید کر کے اس کا منہ پتھروں سے بند کر دیا اور لوگوں کی نظر میں وہ گویا سدّ ذوالقرنین ہو گیا۔ مسلمان گھبرا گئے اور اُس کے مکر و فریب کے ہاتھوں بہت گھبرائے۔ عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تشریف لائے۔ اُن کا چہرہ متغیر ہو گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے عمر کیا حادثہ ہو گیا ہے کہ تمہارے چہرے

سے تغیر کا حال ظاہر ہو رہا ہے اور پریشانی کے آثار پیشانی پر نمایاں ہیں۔ انھوں نے جواب دیا یا رسول اللہ، دجّال کا شر اور اُس باطل شخص کا فتنہ ظاہر ہو گیا ہے۔ اُس نے مومنوں کی ایک جماعت کو ایک جگہ قید کر دیا ہے اور اُس کا منہ بڑے بڑے پتھروں سے بند کر دیا ہے اور دھوکے اور سحر سے اُس چٹان کو دیوار پر مضبوط بنا دیا ہے۔ اسی وقت وہ زبدۂ عالم اپنے اصحاب کے ساتھ باہر آئے (یعنی حصار کے باہری حصے پر تشریف لائے) اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ اے مالک اے صاحب جلال تو اس کے شر سے محفوظ رکھ (اور) میری امت سے اس ملعون کو دفع کر دے[1] دعا سننے والی اعلیٰ ذات نے دعا قبول فرمائی، اُسی لمحے آسمان کے مرغزار سے ایک پرندہ نازل ہوا اور دجّال کو سزا کے چنگل میں جکڑ لیا اور فضا میں بلندی کی طرف لے گیا۔ دجّال ہر چند عاجزی کر رہا تھا اور چیخ رہا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ کو سزا دینے والے اس پرندے کے چنگل سے نجات عطا فرمائیے اور اس عقاب سے جو کہ عقاب ہی کا بچہ ہے چھٹکارا دلائیے۔ دنیا کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم اُس پرندے کو اپنے حکم کے کوڑے سے اشارہ فرما رہے تھے کہ اُس (دجال) کو اِس دیار سے دور نزلے جا۔ کہتے ہیں کہ وہ تیز اڑنے والا پرندہ دجّال کو اس طرح لے گیا کہ وہ اس کو لیے ہوئے طبرستان کے دیار میں پہونچا اور اُس طرف کے ایک دریا کے جزیرے میں اُس کو ڈال دیا۔)

درج بالا روایتوں میں جو باتیں تحریر کی گئی ہیں اُن کے بے سر و پا ہونے میں شاید ہی کسی کو شبہ ہو مگر اس دنیا میں "خوش عقیدہ" افراد کی بھی کمی نہیں ہے، ان کو مدنظر رکھتے ہوئے چند اصولی اور اساسی باتوں کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ یاد دلانے کی ہے کہ درج بالا اقتباس میں جو روایتیں بیان کی گئی ہیں اُن کے ماخذ کی طرف مفسر نے کوئی مبہم سا بھی اشارہ نہیں کیا ہے جس سے اندازہ ہو سکتا کہ اِن روایتوں کا تعلق سینہ بہ سینہ چلی آنے والی

---

[1] اِس جملے کا متن غیر واضح ہے اس لیے مرادی ترجمہ کیا گیا ہے۔

حکایتوں اور کہانیوں سے ہے یا اِن کا کوئی تحریری وجود ہے اسی وجہ سے ہم مفسر کی بیان کردہ باتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کر سکتے۔ دوسری چیز جو ہم کو کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ معین الدین فراہی ہروی علاماتِ قیامت پر اظہارِ خیال فرما رہے ہیں اور اِس سلسلے میں ان کو جتنی اور جیسی رطب و یابس روایتیں کتابوں میں درج یا سینوں میں محفوظ مل سکی ہیں اُن سب کو بلا کسی حوالے کے انھوں نے 'اسرار الفاتحہ' میں جمع کر دیا ہے۔ جہاں تک ہماری محدود نظر ہے اُس کے مطابق خروج دجّال کے بارے میں جو احادیث ملتی ہیں اُن کا تعلق علاماتِ قیامت بیان کرنے والی حدیثوں سے ہے۔ ان احادیث کے بارے میں بھی علماء میں خاصا اختلاف ہے مگر اِس بات پر سب ہی متفق ہیں کہ دجّال کا خروج قیامت آنے سے قبل ہوگا۔ خود معین الدین فراہی ہروی کو اِس بات کا علم ہے کہ احادیث میں کیا بیان کیا گیا ہے۔ سخت حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ اِس کے باوجود انھوں نے ایک ایسی روایت نقل کی ہے جو اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ دجّال کی ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ حیات ہی میں ہو گئی تھی۔

ستم بالائے ستم یہ کہ معین الدین فراہی ہروی اِس روایت پر کوئی تنقیدی نگاہ نہیں ڈالتے کہ حضرت عمرؓ کی چلائی تلوار الٹ کر اُنہی پر آتی ہے اور اُن کو زخمی کر دیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ حضرت عمرؓ کے ساتھ ہیں مگر وہ اُن کی کوئی مدد نہیں فرماتے اور ضربتِ شمشیر کو تقدیرِ الٰہی قرار دے کر حضرت عمرؓ کو صبر کی تلقین کر کے رہ جاتے ہیں۔

علاوہ بریں دجّال کا پہاڑ پر چڑھنے اور سخت چٹانوں کو پھینک پھینک کر غار بنا کر مسلمانوں کو قید کر لینے کی بات بھی مضحکہ خیز ہے یہ بات جس انداز سے کہی گئی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حصار میں مسلمان محصور ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ وہاں تشریف لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو دجّال کو دیکھ سکے نہ ہی اُس حصار کو (حالانکہ دجّال بلندی پر تھا اور حصار حضور اکرمؐ کے سامنے) اس لیے انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تمہارا چہرہ متغیر ہو گیا ہے اور پریشانی کے آثار پیشانی پر نمایاں ہیں۔ اِس سوال

پر حضرت عمرؓ جواب دیتے ہیں کہ یا رسول اللہ دجّال کا فتنہ ظاہر ہو گیا ہے۔ اس بات کو ماننا اور اس پر یقین کرنا ہمارے نزدیک مومنانہ شان کے خلاف ہے۔ جس فتنے کی خبر اللہ نے اپنے رسول کو دی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پوری امت واقف ہوئی ہو، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ فتنہ ظاہر ہو جائے اور ایک غیر نبی، نبی کو بتلا سے کہ "دجال کا فتنہ ظاہر ہو گیا ہے"۔ ہمارے نزدیک ایسا سوچنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے مترادف ہے۔

ایک بات اور ہماری سمجھ میں نہ آسکی کہ معین الدین فراہی ہروی نے دجّال کو عقاب کے ذریعہ طبرستان کے دریا کے اُس پار کیوں پھنکوایا کسی ایسے ملک میں کیوں نہ پھنکوایا جہاں اُس وقت مسلمان نہ پہونچے تھے۔ طبرستان سے اُن کو پرخاش کیوں تھی اِس سوال کا جواب دینے سے ہم قاصر ہیں۔ اِسی سلسلۂ سخن میں یہ بھی یاد دلانے کو جی چاہتا ہے کہ ایک حدیث ایسی بھی نظر سے گذری ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "دجال کا فتنہ خراسان سے ظاہر ہوگا" (دونوں مقامات ایک دوسرے کے قریب واقع ہیں) اس بات کا فیصلہ تو ہمارے محدثین ہی کریں گے کہ مذکورہ حدیث کی حیثیت کیا ہے؟ ہم کو تو یہ دکھلانا مقصود ہے کہ ایک روایت ایسی بھی ہے جس میں 'خراسان' کا ذکر ہوا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ ایرانی مفسر بھی اس بات کا قایل نظر آتا ہے کہ دجّال کا مولد عرب نہیں عجم ہوگا۔

اب تک ہم نے 'اسرار الفاتحہ' کے شروع اور تقریبًا وسط کی ایک ایک عبارت کا مطالعہ اپنے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ اب ہم اس کی چودھویں مجلس کی ایک عبارت کا مطالعہ پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ معلوم ہے اسرار الفاتحہ پندرہ مجلسوں پر مشتمل ہے، پندرہویں مجلس 'آمین' کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ اس لیے ہم نے چودھویں مجلس کا انتخاب کیا ہے۔ جو غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ اس مجلس میں ایک مقدمہ اور چار فصلیں ہیں۔ چوتھی فصل اس آیت سے مستنبط اسرار کے بیان میں ہے جن کی تعداد چار ہے۔ سرِ اول کے تحت معین الدین فراہی رقم طراز ہیں۔

"غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ اول ترا باید دانستن کہ غضب حق تعالیٰ راندگان[1] را باشد

---

[1] اصل 'رانندگان'۔

وضلالت در جادہ فرو ماندگان را باشد مغضوب علیہ از درگاہ محروم[1] ماندہ و راہ گم[2] کردہ و سرگردان در بیابان پی بہ مقصود بیرون نہ بردہ، مغضوب علیہ را امید بہبود نیست از بہر آنکہ بادشاہ بر وخشم گرفتہ واز درگاہش راندہ وضلال را امید بہبود ہست کہ حق تعالیٰ ہنوز مشعلہ دار مسافران است، انبیاء ہنوز اندر بادیہ دلیل می کنند وامیال می کنند وامیال قرآن بر سرحد بیابان برہان نہندہ سبیل می نماید۔ لاجرم کہ جہودان بروایت مشہورہ مغضوب علیہم کنایت از ایشانست ہرگز از غضب خداوند سبحانہ نجات نیابند وترسایان کہ ولاالضالین اشارت بہ ایشان است بہ مشعلہ داری عیسیٰ علیہ السلام در آخرالزمان از تاریکی ضلالت بہ روشنائی ہدایت مشرف گردند اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور، والذین کفروا اولیٰہم الطاغوت یخرجونہم من النور الی الظلمات۔"

(اول تو تم کو یہ جان لینا چاہیے کہ حق تعالیٰ کا غضب راندۂ درگاہ افراد کے لیے ہوتا ہے اور ضلالت راستے میں عاجز رہ جانے والوں کے لیے۔ مغضوب علیہ درگاہ سے نکالا ہوا، راہ سے محروم، بیابان میں سرگرداں اور منزل مقصود سے دور پڑا ہوا (ہوتا ہے) مغضوب علیہ کی بھلائی کی امید نہیں ہے اس لیے کہ بادشاہ اُس سے خفا ہے۔ اور اُس نے مغضوب علیہ کو اپنی بارگاہ سے نکال دیا ہے اور ضلال (بھٹکا ہوا) کو بھلائی کی امید ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ اب بھی مسافروں کو مشعل راہ دکھا رہا ہے اور انبیاء اب بھی وادیٔ (پرخار) میں راہ نمائی فرما رہے ہیں اور آسانیاں پیدا کر رہے ہیں اور قرآن پاک کے رجحانات بیان کے سرحد پر دلائل نصب کر رہے ہیں اور راستہ پیدا کر رہے ہیں۔ بلاشبہ مشہور روایت کے مطابق مغضوب علیہم کا اشارہ یہود کی طرف ہے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے کبھی نجات نہیں پائیں گے اور نصاریٰ جن کی طرف ولاالضالین میں اشارہ ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام کی روشنی دکھانے کی وجہ سے آخری زمانے میں ضلالت

---

[1] محروم اور ماندہ کے الفاظ کے درمیان "زادہ عماز" بھی شائع ہوا ہے جس کو ہم نے نقل نہیں کیا ہے۔

[2] "نا دراہ گم کردہ" شائع ہوا ہے۔

(گم کردہ راہی) کے اندھیرے سے نکل کر ہدایت کی روشنی سے مشرف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ساتھی ہے اُن لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (یا بچا کر) نور (اسلام) کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں اُن کے ساتھی شیاطین ہیں (انسی و جنی) وہ اُن کو نور (اسلام) سے نکال کر (یا بچا کر کفر کی) تاریکیوں تک لاتا ہے[1]")

"پس ای درویش اگر خواہی کہ درین مسافرت از ضلالت مصُون و محفوظ باشی و درین سفر از گمراہی ایمن گردی ترا در بادیۂ اول سفر در وجود تست از بہر آنکہ وجود تو نمود ہفت آسمان و زمین است ترا بر بام جہانِ باید شدن و نردبان از نہاد خود ساختن و این نہاد تو ہفت آسمان و زمین است در یکدگر سرشتہ از یک دیگر فرو کشا کہ تا چون ازین بند بدر شوی از طاقِ نہ رواق آسمان برتر گذری نسخۂ ہفتِ آسمان و زمین در جیبِ تست بہ نسخۂ خود فرو نگر تا از مطالعۂ کتب خانۂ کونین فارغ شوی قالب تو نمودار قالب ہفت آسمان و زمین ست و جانِ تو سپر جوشن جان ست ہفت آسمان و زمینِ امر حق است و من آیاتہ اَن تقوم السماءُ والارض بامرہ، و جان تو نیز باز بستۂ امر حق سبحانہ قل الروح من امرِ ربّی اسرار ہفت آسمان و زمین بجان تو می پیوند دُیدَبّر الامر من السماء الی الارض آن گاہ از رہ جان تو بر قالب تر شح می کند و در ہیئت گفتار و کردار از رہ جانِ تو با حضرت کبریا می شود جل و علا۔ ثُمَّ یَعْرُجُ عَلَیْہِ پس تو اول درین سفر نردبانِ قالب از آسمان و زمین برگذار آنگاہ نردبانِ جان بدیوار امر حق تعالیٰ با زنہ کہ امر بہ آن حضرت واصل است الی اللہ تصیر الامور تو نیز با امر وصول پذیرفتہ خود را در عالم ربوبیت انداز۔ اِنّا للہ و انا الیہ راجعون۔ تا بہ ولایت خدا جل و علا ہناک الولایۃ للہ الحق تا بہ مقصد بہ سلامت برسی و از ضلالت و غوایت محفوظ مانی۔"

(اے درویش اگر تو چاہتا ہے کہ اس سفر میں ضلالت سے محفوظ و مامون

---

[1] سورۂ بقرہ آیت ۲۵۷، ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی۔

رہے اور اس مسافت میں گم راہی سے بچا رہے تو تجھ کو پہلے ہی جنگل (؟) میں اپنے وجود کا سفر کرنا ہے اس لیے کہ تیرا وجود ساتوں آسمان اور زمین کے پیدا ہونے کا سبب ہے۔ تجھ کو دنیا کی بلندی پر چڑھنا چاہیے اور اپنی ذات کو سیڑھی بنانا چاہیے اور تیری ذات ہی ہفت آسمان و زمین ہے جو ایک دوسرے سے گتھے ہوئے ہیں، اُن کو ایک دوسرے سے جدا کر تاکہ جب تو اس بند سے باہر آئے (یعنی مرے) تو تو آسمان کی نو منزلوں کے طاقوں سے (بھی) اوپر چلا جائے۔ ساتوں آسمان اور زمین کا نسخہ (کتاب) تیری جیب میں ہے، اپنے نسخے (کتاب) کو دیکھ تاکہ کونین کے کتابخانے کے مطالعے سے بے نیاز ہو جا۔ تیرا بدن ساتوں آسمان اور زمین کا آنزدار ہے اور تیری جان امرِ حق کے ساتوں آسمان اور زمین کے جوشن کی ڈھال ہے اور اُسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اُس کے حکم سے قائم ہیں[1]۔ اور تیری جان اللہ کے حکم سے وابستہ ہے آپ فرما دیجیے روح میرے حکم سے بنی ہے[2]۔" ساتوں آسمان اور زمین کے اسرار و رموز تیری جان سے پیوست ہیں۔" وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے[3]۔ پھر وہ تیری روح سے جسم پر برستے ہیں اور تیرے قول اور فعل کی شکل میں تیری روح سے بزرگ و برتر اللہ تعالیٰ تک پہونچتے ہیں پھر مزید اوپر چڑھتے ہیں اس لیے تو اِس پہلے سفر میں جسم کی سیڑھی کو آسمان او رزمین سے اوپر اٹھا اور پھر جان کی سیڑھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی دیوار کے ساتھ اور اُس زینے سے (لگا) جس کا حکم اُس کی درگاہ سے متصل ہے۔ تمام حالات اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں تو بھی وصل کے حکم کو قبول کر کے اپنے آپ کو عالم ربوبیت میں ڈال دے۔" ہم تو (مع مال و اولاد حقیقتاً) اللہ تعالیٰ

---

[1] سورۂ روم، آیت ۲۵ کا ٹکڑا، ترجمہ مولانا تھانوی۔
[2] بنی اسرائیل آیت ۸۵ ترجمہ مولانا تھانوی۔
[3] سورۂ سجدہ، آیت ۵ کا ٹکڑا، ترجمہ مولانا تھانوی۔

ہی کی مِلک ہیں اور ہم سب (دنیا سے) اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں[1]؛
تاکہ اللہ بزرگ و برتر کی سرپرستی سے تو اپنے مقصد تک سلامتی سے پہونچ جائے
اور ضلالت و گمراہی سے محفوظ رہے[2]

درج بالا اقتباس میں معین الدین فراہی ہروی نے مغضوب علیہ اور ضالین کی جو تشریح کی ہے اُس میں وہ منفرد نہیں ہیں ان سے پہلے اور بعد کے بھی مفسرین مغضوب علیہم سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ مراد لیتے رہے ہیں اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرتِ حق کے راندۂ درگاہ کے مقابلے میں گم کردہ راہ کم درجے کا خاطی ہے اور اس بات کا امکان باقی رہتا ہے کہ گم کردہ راہ کو کبھی صراط مستقیم مل جائے اور وہ ضالین کی صف سے نکل کر مومنین کی صف میں کھڑا ہو جائے۔

اس اقتباس میں معین الدین فراہی ہروی نے درویش کو مخاطب کرتے ہوئے جو باتیں کہی ہیں اُن میں سے بعض گنجلک ہیں اور بعض معنی و مفہوم کے لحاظ سے اچھی اور سمجھ میں آنے والی ہیں مگر اُن کا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سے کیا تعلق ہے یہ ہم جیسے عامی کی سمجھ سے باہر ہے اِس لیے اُن سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ اس ضخیم تفسیر کے تین نمونوں کے مطالعے سے پوری تفسیر کے مطالعے کا حق ادا نہیں ہوتا اِن سطور کو اسرار الفاتحہ کا ایک تعارف سمجھنا چاہیے اور یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ نویں صدی ہجری میں تفسیر لکھنے کا ایک انداز یہ بھی تھا۔

---

[1] سورۂ بقرہ، ۱۵۶

[2] اِس "سِر" کی عقدہ کشائی میں مدد دینے کے لیے میں ڈاکٹر رئیس نعمانی کا شکر گزار ہوں۔